© rasailojaraid.com

وار دھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

ایک عظیم الشان خطرہ سے آگاہی

(منقول از رسالہ طلوع اسلام - دہلی)

[ہندوستان میں انگریزی امپیریلزم نے اپنے قدم جمانے کے لئے جس چیز کو سب سے زیادہ اہم سمجھا تھا وہ ایک ایسی تعلیمی اسکیم تھی جو ہندوستانیوں کو مغرب پرستی کے سانچے میں ڈھال دے۔ اس اسکیم کی تیاری کے لئے انگریزی قوم کو خود اپنے میں سے ایک میکالے تلاش کرنا پڑا۔ اب اس کے ٹھیک ایک صدی بعد ہندو امپیریلزم اپنے قدم جمانے کے لئے میدان میں آیا ہے اور اس نے بھی ایک ایسی تعلیمی اسکیم کی ضرورت محسوس کی ہے جو ہندوستان کی سب سے زیادہ انفرادیت پسند قوم یعنی مسلمانوں کو ہندی قوم پرستی کے سانچے میں ڈھال دے۔ اس کام کیلئے بھی ایک میکالے کی حاجت تھی، سو وہ میکالے ان کو خوش قسمتی سے خود اپنی قوم میں سے مل گیا جس کو وہ اپنے امپیریلزم کے دام میں لانا چاہتے ہیں۔ میکالے کا مشہور ڈسپیچ ۱۸۳۵ء میں لکھا گیا تھا۔ واردھا کی تعلیمی اسکیم ۱۹۳۷ء میں تیار ہوئی ہے۔ دونوں میں صرف ۱۰۲ سال کا تفاوت ہے۔

اسی واردھا اسکیم سے ملتی جلتی مگر زیادہ خطرناک ایک اور تعلیمی اسکیم بھی ہے جس کا نام "ودیا مندر اسکیم" ہے۔ ہم ان دونوں کے متعلق مواد جمع کر کے ایک مفصل مقالہ لکھنا چاہتے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ وہ ناظرین کو سامنے آئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذیل کے مقالہ کو پڑھ لیں جس میں ایک صاحب بصیرت شخص نے واردھا اسکیم پر مسلمان کی نگاہ سے تبصرہ کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ مسلمانوں کے دیندار طبقے بھی بے سمجھے بوجھے اس جال میں پھنس رہے ہیں چنانچہ بعض اکابرِ اہلِ علم اور مذہبی مجالس کے جو خیالات ہم کو معلوم ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوا کہ یہ حضرات اس اسکیم کے بعض اجزاء ہی کو اعتراض کی نظر سے دیکھ رہے ہیں جس کی بنیاد میں جو زہر بھرا ہوا ہے اس تک ان کی نگاہ نہیں پہنچی ایسی حالت میں مسلمانوں کو اس خطرہ سے آگاہ کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہوگیا ہے، ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ یہ مقالہ کو ایک مستقل پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع کردیا گیا ہے۔ جو حضرات مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے اسے تقسیم کرنا چاہیں وہ ۱ر فی نسخہ یا پانچ روپیہ سیکڑہ کے حساب سے منیجر رسالہ طلوع اسلام، بلیماران دہلی سے طلب فرمائیں]

تمہید تاریخ عالم کے زمانۂ قدیم پر نگاہ ڈالئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ قوت و سطوت کی مالک قومیں دوسری قوموں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے قتل و غارتگری اور کشت و خون کے کیا کیا طریقے اختیار کرتی ہیں چنگیز خاں و ہلاکو کی خونچکاں داستانیں صفحاتِ تاریخ پر خون کے حروف میں لکھی ملتی ہیں فرعون و نمرود، شدّاد و ہامان کے جور و استبداد کے واقعات پڑھنے والے کی روح میں کپکپی پیدا کردیتے ہیں۔ یہ دورِ جہالت تھا، علانیہ سبعیت و بربریت کا زمانہ تھا عصرِ حاضر کا مہذب انسان اس دورِ وحشت کو سخت نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے زمانہ کو خدا کی برکتوں اور رحمتوں کا زمانہ سمجھتا ہے کہ جس میں قتل و خونریزی کی وہ داستانیں نہیں دہرائی جاتیں جس میں اسے انسانیت تڑپتی، بلکتی، پھڑکتی نظر آئے۔ لیکن جو لوگ حقائقِ اشیاء کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں اُن پر یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے کہ عصرِ حاضر کا مہذب انسان بھی دوسروں کی ہلاکت اور بربادی میں عہدِ جہالت کے وحشی انسان سے کسی حالت میں کم نہیں ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عہد جہالت تھا جس میں انسان نے ابھی یہ نہ سیکھا تھا کہ اپنی ستم کوشیوں اور ظلم رانیوں کو کس طرح اصلاح و بہبود کے خوش آئند نقاب اڑھائے، وہ جو کچھ کرتا تھا، کھلم کھلا کرتا تھا، بتا کر، جتا کر، دکھا کر کرتا تھا لیکن آج انسان عقل و حکمت میں بہت ترقی کرچکا ہے۔ آج اس طرح کھلم کھلا اپنی ہوسِ خون آشامی کو پورا کرنا حماقت سمجھا جاتا ہے۔ آج سب سے زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدبر، سب سے زیادہ ہوشیار وہ ہے جو دوسروں کا خون اس انداز سے پی جائے کہ اس کا دھبہ تک کہیں نظر نہ پڑے۔ وہ دوسروں کی متاعِ حیات کو اس مشفقانہ انداز سے لوٹ لے کہ اس پر رہزن و قزاق ہونے کا شبہ تک نہ ہو۔ وہ ناصح و مصلح کے معصوم لباس میں قوم کی قوم کو تباہ کر جائے، در آں حالیکہ لٹنے والوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ دورِ جہالت کا وحشی اور ظالم انسان آج تک بدنام چلا آتا ہے کہ اس کے جور و ستم کی ہلاکت آفرینیاں گویا ایک طوفان بلا خیز ہیں جو کف بر دہاں بڑھتا، امنڈتا، بپھرتا چلا آتا ہے کہ جس کی طغیانیوں کو اندھے بھی دیکھتے ہیں، اور جس کی شور انگیزیوں کو بہرے بھی سنتے ہیں۔ لیکن دورِ حاضر کے مہذب انسان کی استہلاک و تخریب کی چالیں ایک پُر سکوت دریا کی مانند ہیں کہ جس میں نہ شور ہے نہ تموج، لیکن سطح آب کے نیچے ایسے ایسے خوفناک مگرمچھ چھپے چلے آتے ہیں کہ قوم کی قوم کو تباہ کر دیں اس طرح کہ نہ دیکھنے والی آنکھیں دیکھ سکیں اور نہ سننے والے کان سن سکیں۔ اس پُرسکوت طریق تخریب اور اس آتشِ خاموش میں سب سے بڑا حصہ تعلیم کو حاصل ہے۔ آپ جس قوم کو تباہ و برباد کرنا چاہیں، نہایت خاموشی سے اس کے طریق تعلیم کو بدل دیجئے۔ وہ رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر ہلاکت و بربادی کے عمیق و مہیب غاروں میں کھنچی چلی جائے گی اور اسے پتہ اس وقت چلے گا جب وہ سکراتِ موت کی ہچکیاں لے رہی ہو گی۔ حضرت اکبر مرحوم نے اس جانکاہ حقیقت کو کس بلیغ اور اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی!!

انگریزوں کا طرزِ عمل جب ہندوستان میں انگریزوں کے پاؤں جمنے شروع ہوئے تو انھوں نے سب سے پہلے مسئلہ تعلیم ہی کو لیا۔ لارڈ میکالے کی مشہور و معروف کمیٹی کی روداد کس کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ سوال یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو انگریزی تعلیم دی جائے یا نہیں۔ خود انگلستان میں اس مسئلہ کے موافق و مخالف دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ سوال اتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ جب تک حل نہ ہوا کسی کو چین نہ پڑا۔ ہندوستانی دل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے ہوں گے کہ اللہ میاں نے کیسے فرشتوں کو ہم پر حکومت کرنے کے لئے بھیج دیا ہے جو ہماری تعلیم کے لئے یوں گھُلے جا رہے ہیں۔ وہ جماعت جو انگریزی تعلیم کی مخالف تھی اس کے دلائل بڑے قوی تھے۔ لیکن لارڈ میکالے نے اس کے خلاف ایک ایسی محکم دلیل پیش کی کہ جس کے سامنے فریق مخالف کے تمام دلائل دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اس نے کہا کہ انگریزی تعلیم دینے سے آہستہ آہستہ ہندوستانی ایک ایسی قوم میں تبدیل ہو جائیں گے جو رنگ اور نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگی لیکن خیالات، رجحانات، تہذیب، معاشرت کے لحاظ سے یکسر مغربی ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی قوم اپنی مخصوص تہذیب و تمدن کو کھو بیٹھے تو وہ ایک ایسا جسم بن کے رہ جاتی ہے جس سے روح پرواز کر چکی ہو۔ چنانچہ اس دلیل کو بڑا وزن دار سمجھا گیا اور ۱۸۳۵ء میں فیصلہ ہو گیا کہ ذریعہ تعلیم انگریزی ہونا چاہئے۔ یہ تو تھا بنیادی مسئلہ۔ اب یہ معاملہ پیش ہوا کہ اس طریق تعلیم میں جاذبیت کیسے پیدا کی جائے۔ تو اس کے لئے ۱۸۴۴ء میں لارڈ ہسٹنگز نے اعلان کر دیا کہ ملازمت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو انگریزی جانتا ہو۔ یعنی جس طرح کتے کو مارنے والا زہر حلوہ میں لپیٹ کر دیا جاتا ہے اسی طرح اس تعلیم کو روٹی میں لپیٹ کر پیش کیا گیا۔ ہندوؤں پر تو اس طریق تعلیم کا کوئی مضر اثر نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کی کوئی مخصوص تہذیب نہیں، تمدن نہیں، مذہب نہیں، اس لئے ان سے چھن کیا سکتا تھا، ان کو نقصان کچھ نہ ہوا اور روٹی ضرور مل گئی لیکن مسلمان پر اس کا کیا اثر ہوا۔ یہ ہم سے نہیں خود ایک فاضل انگریز سے سنئے کہ "اس طرح بتدریج اسلامی ہندوستان دارالحرب بنا دیا گیا اور ایک عظیم الشان روایات کی حامل قوم دنیا میں یوں بے وقعت کر کے رکھ دی گئی"۔ [1]

ہندو ذہنیت

وہ دور اب ختم ہو رہا ہے۔ حکومت اور قوت رفتہ رفتہ انگریز کے ہاتھ سے چھن کر ہندو اکثریت کے ہاتھ میں منتقل ہو رہی ہے۔ مسلمان کی تخریب اور بربادی میں جو کچھ انگریز نے کیا وہ سارا نقشہ ہندوؤں کے سامنے ہے اور چونکہ ہندوؤں نے سیاست سیکھی ہی انگریز سے ہے اس لئے

[1] The Indian Musalmans by Dr. Hunter.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

جو کچھ اُن کے استادوں نے کیا وہی کچھ یہ کر رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں ایک گروہ تو ڈاکٹر مونجوں اور بھائی پرمانندوں کا ہے جو علانیہ کہتے پھرتے ہیں کہ بھارت ماتا کی پوتر بھومی ان ملیکش مسلمانوں کے چرنوں سے اپوتر نہیں رکھی جا سکتی۔ انہیں یا تو ہندو بن کر رہنا ہوگا یا عرب کی طرف چلو جانا پڑے گا۔ لیکن یہ طریق کار اس دور جاہلیت سے ملتا جلتا ہے جس کا ذکر ہم شروع میں کر آئے ہیں۔ اس لیے انہی میں کا دوسرا گروہ اُس طریق کار کو ترجیح دیتا ہے جو ”دورِ تہذیب“ کی ایجاد ہے، اور جس پر انگریز عمل پیرا رہا ہے یعنی وہ ایک صحیح مشفق بنتا ہے، وہ ایک سادھو منش، خدا رسیدہ، مہاتما کا چولا پہنتا ہے، اور ایسا ہم رنگِ زمیں دام بچھاتا ہے کہ بھولے بھالے پرندے سمجھ بھی نہیں سکتے کہ یہاں کوئی پھانسنے کی ترکیب بھی کر رکھی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ مہاتما گاندھی ایک عرصہ سے اپنے آپ کو عملی سیاست سے الگ بتا رہے ہیں، حتیٰ کہ جب کانگریس کے کسی طرزِ عمل کے متعلق ان سے شکایت کی جاتی ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ بابا! میں تو چار آنہ والا ”ممبر“ بھی نہیں ہوں، میں ایشور بھگتی میں لگا ہوا ہوں، مجھے دنیا داروں کے ان جھگڑوں سے کیا واسطہ۔ جب انھوں نے عملی سیاست کو چھوڑا تو سب سے پہلے اچھوتوں کے ادھار (اصلاح) کی اسکیم کو ہاتھ میں لیا، انھوں نے دیکھ لیا کہ آئندہ ہندوستان کا نظامِ حکومت جمہوری ہوگا جس میں تمام امور کا فیصلہ کثرتِ رائے، یعنی آبادی کے شمار کے اعتبار سے ہوگا، جو قوم تعداد میں زیادہ ہوگی وہی حکومت کرے گی۔ اچھوتوں کے ساتھ جو سلوک ہندوؤں نے روا رکھا ہے وہ خود اچھوتوں کی حالت سے ظاہر ہے۔ آج چونکہ عام بیداری کا زمانہ ہے اس لئے اچھوتوں نے بھی اپنی ذلت و خواری کا احساس کیا۔ مہاتما جی کو فکر لاحق ہوگئی کہ اگر انھوں نے اُن مظالم کے انتقام کے طور پر جو ہندوؤں نے صدیوں سے اُن پر توڑ رکھے ہیں، یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ ہندوؤں سے الگ ہوتے ہیں، تو سوراج کس کام کا۔ فوراً نوعِ انسانی کی ہمدردی کی رگ ان کے نحیف و لاغر جسم میں پھڑک اٹھی، پست و زبوں حال اچھوت کی دکھ بھری داستان نے ان کا جگر خون کر دیا، ان پر رات کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیند اور دن کا چین حرام ہوگیا۔ چنانچہ برت رکھا گیا اور جب تک یقین نہیں ہوگیا کہ اچھوت مردم شماری کے رجسٹر میں اپنے آپ کو ہندو ہی لکھوائیں گے کسی اور طرف توجہ ہی نہیں کی۔ یہ مہاتما جی کی زندگی کا پہلا نصب العین ہے۔

اس کے بعد ایک اور اہم مسئلہ ان کے سامنے آیا۔ وہ بساطِ سیاست کو بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ جب تک ملک کی زبان ہندی نہیں ہوجاتی، اقلیتیں اکثریت کے اندر جذب نہیں ہوسکتیں۔ زبان کا مسئلہ کس قدر اہم ہے اس کا ذکر ہم آگے چلکر کریں گے۔

اس مسئلہ میں جب انہیں اطمینان ہوگیا کہ ہوگا وہی جو وہ چاہتے ہیں تو اب ایک قدم اور آگے بڑھے۔ وہی چیز جو میکالے کے وقت میں انگریز کے پیشِ نظر تھی، وہی ان کے سامنے آئی۔ انگریز کی سیاست نے انہیں خوب بتا رکھا تھا کہ یاد رکھو جو قوم اپنی تہذیب، کلچر، مذہب کو الگ رکھنے کی متمنی ہو اسے علانیہ شدھ کرنے کو نہ اٹھو، بلکہ طریقِ تعلیم بدل دو، تھوڑے عرصے کے بعد وہ خود بخود شدھ ہوجائے گی۔ چنانچہ اس چیز کے پیشِ نظر مہاتما جی نے آزاد ہندوستان کے لیے ایک تعلیمی اسکیم کے اصول وضع کئے جسے وارڈھا اسکیم کہتے ہیں، اور ان اصولوں کی فروعات وجزئیات مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی۔ چونکہ خطرہ تھا کہ مسلمان اعتراض کریں گے کہ ہندوؤں کی وضع کردہ اسکیم اُن پر کیوں نافذ کی جارہی ہے، اس لئے اس کمیٹی کے صدر ہماری جامعۂ ملیہ اسلامیہ کے پرنسپل، جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب بنا دیئے گئے۔

اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرتب کی جو رسالہ جامعہ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہی وہ رپورٹ ہے جس کے متعلق ہم کو دیکھنا ہے کہ اس طریقِ تعلیم کا مسلمانوں پر کیا اثر پڑے گا، اور مسلمان مذہبی نقطۂ نظر سے اسے کس حد تک تسلیم کرسکتے ہیں۔ دنیا کا کوئی معاملہ ہو، ایک مسلمان کے لئے لازمی ہے کہ اسے قرآن کریم کی میزان سے تولے اور جو فیصلہ اس بارگاہ سے ملے، اسے اپنے لئے قولِ فیصل سمجھے کہ:

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو شخص معاملات کا فیصلہ قرآن کریم کی رو سے نہیں کرتا اُسے اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، وہ کفار کے زمرے میں شامل ہے۔

ہمیں اس سے نہ مہاتما گاندھی کی ذاتی مخالفت مقصود ہے، نہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ موجودہ وقت، سیاستِ ہند میں ایک بڑا نازک وقت ہے، سابقہ حکومت کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور اس کی جگہ مقدرات کے نئے نئے ستارے منصۂ شہود پر آ رہے ہیں۔ مسلمان سابقہ دورِ حکومت میں جس قدر نقصان اٹھا چکا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ مستقبل کے لئے اس کی قسمتوں کے فیصلے ہو رہے ہیں، یہ سوچے، غور کرے کہ میرے ساتھ اب کیا ہونے والا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم اس تعلیمی اسکیم کو خالص قرآنی نقطۂ نگاہ سے دیکھیں، اور ہمیں جہاں جہاں خطرات پوشیدہ ملیں، انہیں بے نقاب کر کے مسلمان کے سامنے رکھ دیں تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اب کس طرح

مری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

متحدہ قومیت کی تشکیل سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ مستقبل کے ہندوستان میں ہندوؤں کے ارادے کیا ہیں، تحریکِ آزادی کا مطمحِ نگاہ کیا ہے۔ تفصیل تو اس کی طول طویل ہے لیکن دو لفظوں میں ہندوؤں کا اس سے مقصود یہ ہے کہ "ہندوستان میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ایک متحدہ قوم پیدا ہو" (پنڈت جواہر لال نہرو۔ مضمون مطبوعہ رسالہ جامعہ بابت اکتوبر ۱۹۳۶ء)۔ یہ متحدہ قوم پیدا کیسے ہوگی؟ اس کے لئے یو۔ پی کے کانگریسی وزیر تعلیم سوامی سمپورنانند کی وہ تقریر ملاحظہ فرمائیے جو گذشتہ اپریل میں انھوں نے تعلیم کے موضوع پر فرمائی تھی، جس کے دوران میں وہ کہتے ہیں:۔

"ہر وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قائم رکھنے اور اس کو مدارس میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے، وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہونی چاہئے...... جب ہندو مسلم تہذیبیں مٹ جائیں گی تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہ سکے گی" (بحوالہ ٹریبون و مدینہ)

ایک دفعہ پھر سُن لیجئے کہ ہندوؤں کی کوئی مخصوص تہذیب نہیں۔ کوئی خاص مذہب نہیں۔ اسلئے آپ جب کبھی یہ سُنیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مخصوص تہذیب کو مٹایا جائے تو بلا تامّل سمجھ لیجئے کہ اس سے مقصود مسلمانوں کی تہذیب و مذہب کو مٹانا ہے۔ ہندو کا لفظ ساتھ اس لئے چسپاں کر دیا جاتا ہے کہ مسلمان بدکنے نہ پائیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جب ہندوؤں کی کوئی تہذیب نہیں، کوئی مذہب نہیں تو اُن کا مٹے گا کیا۔ یہ کہنے والے ہم نہیں ہیں کہ ہندوؤں کا کوئی مذہب نہیں، کوئی تہذیب نہیں۔ خود ہندوؤں سے سنیئے:۔

"ہندو مت کے دائرے میں بے حد مختلف اور متضاد خیالات اور رسوم داخل ہیں۔ اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندو مت پر صحیح معنی میں لفظ مذہب کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص کھلم کھلا خدا کا منکر ہو (جیسے قدیم فلسفی چارو ک) لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص ہندو نہیں رہا۔ جو لوگ ہندو گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ چاہے کتنی ہی کوشش کریں ہندو مت اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں برہمن پیدا ہوا تھا، اور برہمن ہی سمجھا جاتا ہوں، چاہے مذہبی اور سماجی رسموں کے متعلق میرے خیالات اور اعمال کچھ ہی ہوں"

(پنڈت جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانح عمری ترجمہ اردو جلد اول ص ۲۰۳-۲۰۲)

تو آپ سمجھ گئے کہ ہندوؤں کے پیش نظر سب سے مقدم یہ مسئلہ ہے کہ مسلمان کی الگ مخصوص تہذیب کو مٹا دیا جائے تاکہ یہ متحدہ قومیت میں جذب ہو جائے اور اس طرح ایک ایسی قوم کا وجود عمل میں آجائے جو نام کے اعتبار سے تو مسلمان رہے لیکن تہذیب و تمدن، خیالات، رجحانات، معاشرت کے لحاظ سے خالص ہندی ہو۔ وہی نظریہ جو میکالے کے سامنے تھا اور جس کے حصول کے لئے انگریزی طرز تعلیم کو اختیار کیا گیا تھا۔ اب اسی مقصد کے حصول کے لئے ایک نیا طریق تعلیم آسمان وارد ھا سے الہام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شکل میں نازل ہوا ہے جس کی تشریح شیخ الجامعہ نے فرمائی ہے۔ یہ بھی آپنے دیکھ لیا ہے کہ میکالے اسکیم میں کشش پیدا کرنے کے لئے روٹی کی جاذبیت چھپاں کی گئی تھی۔ واردھا اسکیم کی بنیاد بھی روٹی پر رکھی گئی ہے۔ شروع سے اخیر تک اس اسکیم میں روٹی اور روٹی ہی کا شور ہے۔ یعنی مقصد اولین تو یہ ہے کہ اس طریق تعلیم سے مسلمانوں کو ان کے مذہب اور اسلامی فلسفۂ زندگی سے بیگانہ بنادیا جائے اور اس طرح ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت کا وجود عمل میں آجائے۔ لیکن جو نصاب تجویز ہوا ہے اس میں نبظاہر بنیادی چیز صنعت و حرفت کی تعلیم رکھی گئی ہے تاکہ نگاہیں اس حصہ کے فوائد میں الجھ کر رہ جائیں، اور دوسرے حصہ کے نقصانات کی طرف توجہ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ نصاب تعلیم میں ساڑھے پانچ گھنٹے میں سے ساڑھے تین گھنٹے کے قریب دستکاری کی تعلیم کے لئے رکھے گئے ہیں۔ اس سے آپنے اندازہ فرمالیا ہوگا کہ جہاں تک مسلمانوں کی ملی خصوصیات مٹانے کا تعلق ہے ہندو کس طرح انگریز کے قدم بقدم جارہا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ انگریز نے جو کچھ کیا اس کے نتائج کا نام غلامی تھا، اور ہندو جو کچھ کررہا ہے اس کا نام حصول آزادی رکھا گیا ہے۔ انگریز جن کے توسط سے یہ کچھ کراتا تھا ان کا نام ٹوڈی تھا۔ لیکن ہندو جن کے ہاتھوں سے یہ کچھ کراتا ہے وہ محب وطن، اور خادم ملت کہلاتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ :-

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی، نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللہی، وہی مرحبی وہی عنتری

غیر مسلم کی راہ نمائی یہ طویل تمہید اس لئے ضروری تھی کہ جبتک کسی تحریک کا پس منظر (Back ground) آپ کے سامنے نہ ہو، آپ پر اس کے صحیح اثرات و نتائج واضح نہیں ہوسکتے۔ اسکیم زیر نظر میں سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ وہ مسلمان جو دنیا کی امامت کے لئے پیدا کیا گیا تھا اس کی آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ دنیا کی ہر شاہراہ پر غیر مسلموں کی راہ نمائی کا محتاج ہو چکا ہے۔ "غلام" مسلمان اپنی ہدایت و راہ نمائی کے لئے سمائے شملہ و لندن کے "الہامات" کا منتظر رہتا تھا۔ اب "آزاد" مسلمان اپنی ہدایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سئے واردھا اور آنند بھون کے دیوی دواروں کی طرف کان لگائے رہتا ہے۔ انگریز سے اس کے کسی فیصلے یا ہدایت کی دلیل مانگنا آئینِ وفاشعاری کے خلاف تھا کہ اس کے فیصلوں کی صحت کی دلیل اس کا "اقبالِ حکومت" تھا۔ گاندھی جی سے ان کے فیصلوں یا ہدایات کی دلیل مانگنا خلافِ رسم پرستاری ہے کہ اُن کے ہر فیصلے کی صحت کی دلیل وہ "اندرونی روشنی" ہے جس کی بنا پر انہیں معصوم عن الخطاء، مافوق البشر انسان، یعنی اوتار سمجھا جاتا ہے۔ انگریز کی غلامی استبداد کی غلامی تھی۔ گاندھی جی کی غلامی عقیدت کی غلامی ہے۔ مسلمان کے سئے نتیجہ دونوں کا وہی ذلت و پستی ہے، جسے جذبۂ مرعوبیت (Inferiority Complex) کہتے ہیں [1] چنانچہ جناب ڈاکٹر صاحب ممدوح اپنی رپورٹ کو مہاتما جی کے روبروان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"ہم یہ رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے سچے دل سے امید کرتے ہیں کہ آپ کی رہنمائی میں یہ اسکیم ہمارے ملک میں تعلیم کے ایک اچھے نظام کی بنیاد ثابت ہوگی" (صفحہ ۱۰۸)

تعلیم کے بنیادی اصولوں کی تمہید میں رقمطراز ہیں۔

"اور میدانوں کی طرح اس میدان میں بھی مہاتما گاندھی کی سوجھ بوجھ اور رہنمائی آڑے وقت میں ہمارے کام آئی" (صفحہ ۱۱۱)

اللہ اکبر! وہ مسلمان جس کے متعلق ارشاد تھا کہ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم نوعِ انسانی میں سے بہترین قوم ہو)، جس کی شان یہ تھی کہ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بہترین قوم بنادیا تاکہ تمام نوعِ انسانی کے اعمال کے نگراں رہو)، جس کا مرتبہ یہ تھا کہ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ (تم ہی

---

[1] ترجمان القرآن۔ یہ ذہنی غلامی اب اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ حال ہی میں شملہ کی ایک علمی صحبت میں ایک مولوی مسلمان نے کہا کہ "میرے نزدیک حق وہ ہے جو گاندھی جی کی زبان سے نکلے"!

© rasailojaraid.com

دنیا میں سب سے بلند و بالاتر ہو، جس کے قومی باپ کے متعلق ارشاد تھا کہ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (ہم نے تمہیں انسانوں کا امام، پیشرو، لیڈر بنایا ہے) جن کو حکم تھا کہ "دیکھنا غیر مسلموں کے خیالات کا اتباع نکرنا وہ تمہیں گمراہ کردیں گے"، ان مسلمانوں کی آج حالت یہ ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے مسئلہ کے حل کے لئے ایسے لوگوں کے دست نگر ہیں جو روح اسلام سے یقیناً بیگانہ ہیں۔ جس مومن کی یہ شان تھی کہ،

موسنے بالائے ہر بالا ترے　　　　غیرت او بر نتابد ہمسرے

وہ مومن آج ایسے انسانوں سے ہدایت کا طالب ہے جن کی عقل آج تک انہیں اتنا بھی نہیں بتا سکی کہ ایک مٹی کے بت کے سامنے ماتھا ٹیکنا کوئی شرفِ انسانیت نہیں ہے۔ یہ پستیوں کی حد نہیں تو اور کیا ہے۔

اصل رپورٹ رپورٹ زیر نظر کے مطابق یہ نیا طریق تعلیم سات برس سے چودہ برس کے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے لازمی ہوگا (صفحہ ۱۳۱) یعنی کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ جب اس کی لڑکی یا لڑکا سات برس کا ہو جائے تو اُسے اس اسکول میں نہ بھیجے جس میں یہ طریق تعلیم رائج ہو۔ یہ تعلیم جبری ہوگی۔ انگریز نے اپنے طریق تعلیم کو جبری نہیں بنایا تھا۔ یہ کمی اب سوراج کے زمانہ میں پوری ہوگی۔

اب سب سے پہلے اس نصاب کو دیکھ لیجئے جو اس اسکیم کی رو سے مرتب کیا گیا ہے:۔

۱۔ بنیادی دستکاری .... ۳ گھنٹہ ۲۰ منٹ

۲۔ گانا، ڈرائنگ اور حساب .... ۴۰ منٹ

۳۔ مادری زبان .... ۴۰ منٹ

۴۔ سماج کا علم اور عام سائنس .... ۳۰ منٹ

۵۔ کسرت .... ۱۰ منٹ

۶۔ بیچ کا خالی وقت .... ۱۰ منٹ

میزان ...... ۵ گھنٹے ۳۰ منٹ (صفحہ ۱۳۱-۱۳۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کو یہ نصاب بڑا معصوم سا نظر آئے گا۔ اس میں بظاہر کوئی چیز ایسی نہیں جس سے مسلمانوں کو خواہ مخواہ خطرات کا اندیشہ ہو۔ لیکن یہ خطرات اس نصاب کی تفصیل کے اندر ہیں۔ آپ نے یہ تو دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اس نصاب میں مذہب کا کہیں نام نہیں۔ خود گاندھی جی اور اس اسکیم کے مرتب کرنے والے یہی اعلان کر رہے ہیں کہ ہم نے مذہب کو اس اسکیم سے بالکل الگ رکھا ہے لیکن جب ہم اس نصاب کی تفصیل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ مذہب کا عنوان تو اس میں کہیں نہیں لیکن مسلمانوں کا مذہب اور ان کی تہذیب مٹانے کے لئے اس میں سب کچھ ہے اور وہ کچھ اس انداز سے رکھا گیا ہے کہ تاوقتیکہ گہری نظر سے نہ دیکھا جائے، اس کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں لگ سکتا۔ اس کا تجزیہ کرنے کے لئے اس اسکیم کو چار اہم عنوانات کے ماتحت مختلف ابواب میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:۔

(اول) مذہب کا مسئلہ جو بمنزلۂ روح ہے۔

(دوم) فلسفۂ زندگی کا مسئلہ جو تہذیب اسلامی کی اصل ہے۔

(سوم) زبان کا مسئلہ جس پر کسی قوم کے کلچر (ثقافت) کا انحصار ہے۔

(چہارم) معاشرتی زندگی جو کسی قوم کے رجحانات قلبی و ذہنی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

آئندہ صفحات میں ان مسائل پر مختلف ابواب میں بحث کی گئی ہے۔ مسئلہ اول و دوم چونکہ مقابلۃً زیادہ اہم اور پیچیدہ ہیں۔ اس لئے اُن پر نسبتۃً شرح و بسط سے تبصرہ کیا جائے گا۔ شقِ سوم ایک الگ مضمون کی محتاج ہے، اور شقِ چہارم میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

باب اوّل

مذہب کا مسئلہ

نصاب میں جو عنوان "سماج کا علم" ہے اس کی تفصیل رپورٹ کے صفحات ۱۱۸-۱۱۹ پر دی ہوئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب کے متعلق اس میں لکھا ہے۔

"دنیا کے مذہبوں کے اصول بتا کر یہ ثابت کیا جائے کہ خاص خاص باتوں میں سب مذہب ایک ہیں" (۱۱ و)

اس اجمال کی تفصیل کے لئے وہ بیان ملاحظہ فرمائیے جو مہاتما گاندھی نے اخبارات میں شائع کیا ہے۔ یہ بیان ایک وفد کے سوالات کے جواب میں شائع ہوا ہے جو یہ دریافت کرنے کے لئے مہاتما گاندھی کے پاس گیا تھا کہ واردھا اسکیم میں مذہب کی کیا پوزیشن ہوگی۔ آپ نے فرمایا:۔

"ہم نے واردھا اسکیم میں سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا ہے کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ جس طرح مذاہب کی آجکل تعلیم دی جاتی ہے اور اُن پر عمل کیا جاتا ہے، وہ بجائے اتحاد کے اختلافات پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس میرا یہ خیال ہے کہ سچائیاں، جو ہر ایک مذہب میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں، بچوں کو پڑھائی جاسکتی ہیں اور ضرور پڑھانی چاہئیں۔ یہ سچائیاں الفاظ یا کتابوں کے ذریعے سے پڑھائی نہیں جاسکتیں۔ بچے ان سچائیوں کو اپنے استادوں کی روزانہ زندگی سے سیکھ سکتے ہیں، اگر وہ اُستاد خود مذہب کی سچائیوں کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہو۔ صرف ایسی صورت میں بچے یہ سیکھ سکتے ہیں کہ واقعی سچائیاں اور عدل و انصاف تمام مذاہب کے بنیادی اصول ہیں"

جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا سات سے چودہ برس کی عمر کے بچے تمام مذاہب کی یکساں عزت کرنا سیکھ سکیں گے، تو مہاتما جی نے فرمایا:۔

"ہاں میرا خیال ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت کہ تمام مذاہب اہم اصولی باتوں میں بالکل ایک جیسے ہیں (بچوں کے دل میں یہ بات پیدا کر دے گی) کہ وہ دوسروں کے مذہب کی بھی ویسی ہی عزت کریں جیسی اپنے مذہب کی کرتے ہیں۔ یہ بڑی سادہ سی سچائی ہے اور سات برس کے بچے اسے آسانی سے سیکھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن سب سے مقدم یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ استاد خود ایسا ہی عقیدہ رکھتا ہو" (نیشنل کال" مورخہ ۸ جون ۱۹۳۸ء)

بظاہر یہ اصول آپ کو بڑی وسعتِ نظر، کشادہ ظرفی پر مبنی نظر آئے گا، لیکن یہی وہ خطرناک گھاٹی ہے جہاں مسلمانوں کا مذہب تباہ کیا جائے گا۔ یاد رکھیے، مہاتما گاندھی اپنے الفاظ کے انتخاب میں بڑے ہوشیار واقع ہوئے ہیں، ان کی سطح ساکت و صامت دریا کی روانیوں کی طرح ہوتی ہے لیکن ان کے نیچے بڑے بڑے خطرناک اژدہے چھپے ہوتے ہیں۔ سطح بین نگاہیں اُن کی نظر فریب کشش سے دھوکا کھا جاتی ہیں۔ جو سطح سے ذرا نیچے اتر جائیں، انہیں وہ خطرات بے نقاب نظر آجاتے ہیں۔ وہ عظیم الشان سازش، جو ان الفاظ کی معصومیت کے اندر نقاب پوش ہے، اسے بے نقاب کرنے کے لئے ہمیں ذرا تفصیل سے کام لینا ہوگا۔

مذہب کی تشریح مذہب میں ایک تو وہ مہمات اصول ہوتے ہیں جن پر اعتقاد کا دار و مدار ہوتا ہے۔ ان اصولوں کو ایمانیات کہا جاتا ہے۔ دوسری چیز ان اصولوں کی تفصیلات میں قوانین، عبادات، مناسک، شعائر یعنی ظواہر ہوتے ہیں جنہیں شریعت کہا جاتا ہے۔ ایمانیات یعنی اصولوں کا تعلق قلب و دماغ سے، سمجھنے سمجھانے سے ہوتا ہے اس لئے یہ غیر محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن مذہب کی بنیاد انہی پر ہوتی ہے۔ ظواہر کا تعلق اعمال حیات سے ہوتا ہے، اس لئے وہ محسوس ہوتے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ دو مختلف مذاہب، مثلاً اسلام اور ہندو مت میں شرع و منہاج کا فرق تو محسوس فرق ہے، کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے طریق نماز اور ہندوؤں کی پوجا پاٹ میں کس قدر اختلاف ہے؟ ان محسوس و مشہود اختلافات کی موجودگی میں کسی کے سامنے یہ کہنا کہ اسلام اور ہندو مت دونوں یکساں مذہب ہیں، اپنی ہنسی اڑانا ہے۔ اس لئے مہاتما گاندھی نے اس چیز کو تو چھوا نہیں، البتہ اس کے متعلق یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ یہ محسوس اختلافات کوئی اہم باتیں نہیں ہیں۔ یہ ثانوی (Secondary.) چیزیں ہیں۔ اصل مذہب تو وہ اصول ہیں جن کو وہ عالمگیر سچائی کہتے ہیں۔ یہ چونکہ غیر محسوس ہیں، ان کا اختلاف آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا، لہٰذا یہ اعلان کر دیا کہ جہاں تک مذہب کے اصولوں کا تعلق ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام اور ہندو مت بالکل یکساں مذہب ہیں، دونوں میں اصولی سچائیاں ایک جیسی ہیں، اسلام کو ہندو مت پر کوئی برتری اور تفوق حاصل نہیں۔ یہ دعویٰ بڑا آسان ہے، اس لئے کہ ایمانیات کا فرق، اصولی سچائیوں کا اختلاف، محسوس شے نہیں۔ مثلاً مسلمان بھی خدا پرست ہے اور ایک ہندو کو بھی دعویٰ ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے، اس لئے اس اصولی مسئلہ میں دونوں یکساں ہیں۔ سطح بین نگاہیں فوراً اس دھوکے کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے کہ ہندو کی خدا پرستی اور مسلمان کی خدا پرستی میں کیا فرق ہے دونوں مذاہب کی مزعومہ یا حقیقی آسمانی کتابوں میں سے خدا کے تصور کو واضح طور پر سمجھانا پڑے گا۔ یہ ذرا مشکل مرحلہ ہے اور ہر شخص کے ذہن میں یہ بنیادی فرق راہ چلتے نہیں بٹھایا جا سکے گا۔ لہٰذا یہ وہ مقام ہے جہاں نہایت آسانی سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ عیسائیت کو اسلام سے ہمیشہ یہی خطرہ رہا کہ مہماتِ اصول میں جب دونوں کا باہمی موازنہ ہوگا تو عیسائیت ایک سیکنڈ کے لئے بھی سامنے ٹھہر نہ سکے گی۔ اس لئے انھوں نے ہمیشہ حقائق کو چھوڑ کر خالی جذبات کی راہ سے اسلام کا مقابلہ کرنا چاہا۔ ہندوؤں کو معلوم ہے کہ ایمانیات یعنی اصولِ مذہب میں جب کبھی ہندو مت اسلام کے سامنے آیا تو یہ مت شیشہ کی طرح چور چور ہو جائے گا۔ اس لئے ہندوؤں نے اپنی اس بنیادی کمزوری کو چھپانے کے لئے مدت سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ یہ مشہور کیا جائے کہ **بنیادی** سچائیوں کے لحاظ سے تمام مذاہب ایک جیسے ہیں کسی میں کچھ فرق نہیں۔ کسی کو دوسرے پر برائی حاصل نہیں۔ فرق صرف ظواہر (یعنی شریعت) میں ہے اور شریعت کچھ ایسی اہم شے نہیں، بلکہ مذہب کے جتنے جھگڑے ہیں وہ شریعت کے اختلافات کی وجہ سے ہی ہیں۔ یعنی محسوس اختلافات کو فتنہ و فساد کا موجب قرار دے دیا جائے اور غیر محسوس بنیادی اصولوں کو ہندو مت اور اسلام میں قدر مشترک (Common factor.) قرار دے دیا جائے۔

یہ ایک بڑی گہری سازش ہے جو مدت سے اسلام کے خلاف آتشِ خاموش کی طرح پھیلائی جا رہی ہے۔ اس کی ابتدا اکبر کے دینِ الٰہی سے ہوئی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ مختلف مذاہب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالمگیر سچائیوں کے لحاظ سے سب ایک جیسے ہیں۔ یہ وہ فتنۂ عظیم تھا جس کو حضرت امام سرہندیؒ نے مسلسل جہاد سے کچلا، اور مختلف بزرگانِ دینؒ نے بڑی بڑی قربانیوں سے اس سیلابِ بلا انگیز کو آگے بڑھنے سے روکا۔ یہ وہی دینِ الٰہی ہے جس کے متعلق بہار کے مسلمان کانگرسی وزیر، ڈاکٹر سید محمود نے لکھا ہے کہ مستقبل کے آزاد ہندوستان میں ہندوستان کی متحدہ قومیت کا یہی مذہب ہونا چاہئے (ملاحظہ ہو سوراجی اسلام مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت ماہ جون ۱۹۳۸ء)

جب دینِ الٰہی کی اس سازش نے وہاں شکست کھائی تو اس نے تصوف کے راستے سر نکالا اور یہ مشہور کیا کہ مسلمانوں کا تصوف اور ہندوؤں کی ویدانت ایک ہی ہے، اور چونکہ مغز دین یہی حقیقت ہے اس لئے یہ دونوں مذہب ایک ہی ہیں۔ چنانچہ آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ کئی ہندو مسلمان فقیروں کے معتقد بن بیٹھتے ہیں۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کے ماتحت مشاہیرِ اسلام میں سے حضرات علماء، صلحاء، مجاہدین ملت کے مقابلہ میں صوفیائے کرام کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن تصوف پھر بھی گوشوں اور زاویوں میں چھپنے کا مسلک تھا، اس لئے دنیائے معاشرت میں یہی نظریہ "برہمو سماج" کی شکل میں ابھارا گیا، جو آج عملاً عام طور پر ہر قوم پرست مسلمان کا مذہب بن رہا ہے۔ جب زمین یوں ہموار ہو گئی تو گاندھی جی ایک قدم اور آگے بڑھے اور اپنی اسکیم میں مذہب کے متعلق یہی نظریہ تعلیم کا جزو لازم قرار دیدیا۔

آپ سمجھے بھی کہ اس سے نتیجہ کیا نکلا؟ ہندومت جو اسلام کے سامنے ایک سیکنڈ کے لئے بھی ٹھہر نہ سکتا تھا، جسے مہذب محفلوں میں پیش کرتے ہوئے خود ہندو گھبراتے اور شرماتے تھے، وہ ایک ہی جست میں ان پستیوں سے ابھر کر اسلام کے ہمدوش کھڑا ہو گیا اور اسلام گاندھی جی کی معصوم کمند کے ایک جھٹکے میں عرش کی بلندیوں سے تحت الثریٰ کی پستیوں میں آگرا۔ آپ شاید یہ کہہ دیں کہ واہ صاحب! ایک مہاتما گاندھی کے ایسا کہدینے سے کیا ہوتا ہے جب کہ خود کانگرس کے اندر اسلام کی برتری اور فوقیت کو ثابت کرنے والی اتنی اتنی بڑی ہستیاں موجود ہیں۔ لیکن جب آپ گاندھی جی کی نگاہ دوربین کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت سے واقف ہو جائیں گے اور کانگریس کے محافظینِ اسلام آپ کے سامنے بے نقاب آئیں گے تو اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام کی فوقیت اور برتری ثابت کرنے والے کہاں ہیں! مہاتما گاندھی کو جو بات دس سال بعد زبان پر لانی ہوتی ہے، اس کی بنیاد وہ آج رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ ایسی کچی گولیاں بھی کھیلے ہوئے نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کے جال وہ کھلے بندوں اپنے ہاتھوں سے بچھاتے پھریں۔ انھوں نے اپنے اُستادانِ سیاست سے یہ سبق سیکھ رکھا ہے کہ حرمِ کعبہ کے اندر ترکوں کے سینہ کو گولیوں کا نشانہ بنانے کے لئے کسی غیر کو نہ بھیجو، بلکہ خود وہیں سے کوئی "شریف حسین" تیار کرو۔ لہذا گاندھی جی بھی مسلمانوں کی ہلاکت کے لئے مسلمانوں ہی کو تیار کرتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد ۱۳-۱۹۱۲ء سے ایک تفسیرِ قرآن لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ کئی دفعہ اس کے لئے چندے ہوئے اور کئی مرتبہ اس کے مسودے گم ہوئے۔ وہ تفسیر نہ چھپنی تھی اور نہ چھپ سکی، حتیٰ کہ انھوں نے تحریر کا مشغلہ کم و بیش چھوڑ دیا، اور اپنی توجہات دوسری طرف منعطف کر لیں۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ ۱۹۳۱ء میں جب کہ وہ پکے نیشنلسٹ ہو چکے تھے، اُن کی تفسیر ترجمان القرآن کی پہلی جلد چھپ کر سامنے آگئی۔ اس تمام تفسیر کو تو کس طرح آپ کے سامنے لایا جائے البتہ انھوں نے تفسیر کے مقدمہ (یعنی تفسیر سورۂ فاتحہ)، کے ضمن میں ملخصاً بیان کیا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ یعنی انھوں نے اپنی تمام تفسیر کو (Sum up.) کیا ہے۔ یہ (Summary.) قابلِ ملاحظہ ہے۔ دینِ الٰہی کو سامنے رکھئے، برہمو سماج کے عقائد پر نگاہ ڈالئے، پھر گاندھی جی کے نظریۂ مذہب کو سامنے رکھئے۔ اور اس کے بعد مولانا آزاد کی تشریحِ دین پڑھیئے۔ ساری حقیقت آپ کے سامنے روشن ہو جائے گی۔ یہ بتانے کے بعد کہ مختلف مذہبی گروہوں نے دین کے سمجھنے میں کیا کیا غلطیاں کیں۔ اسلام کے متعلق ارشاد ہے:۔

"لیکن قرآنِ کریم نے نوعِ انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) اس نے نہ صرف یہی تبلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے۔ بلکہ صاف صاف کہدیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اس نے کہا کہ دین خدا کی بخشش ہے اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔

(ب) اس نے کہا، خدا کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے اور سب کے لئے ہے، پس پیروان مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انھوں نے دین الٰہی کی وحدت فراموش کرکے الگ الگ گروہ بندیاں کرلی ہیں، اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے۔

(د) اس نے تبلایا کہ ایک چیز دین ہے، ایک شرع و منہاج ہے۔ دین ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح سب کو دیا گیا ہے۔ البتہ شرع و منہاج میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ناگزیر تھا، کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی، اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو ویسے ہی احکام و اعمال اس کے لئے اختیار کئے جائیں۔ پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جا سکتے۔ تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کردی ہے محض شرع و منہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔

(ہ) اس نے تبلایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں اور ان کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں۔ یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے۔ وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ جو شخص بھی ایمان اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرے گا اس کے لئے نجات ہے، خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

(و) اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کردیا کہ اس کی دعوت کا مقصد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں۔ لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سرِ نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا اور انھوں نے مجھے قبول کر لیا۔ تمام مذاہب کی یہی مشترکہ اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے۔"

(ترجمان القرآن۔ جلد اوّل صفحہ ۱۶۳-۱۶۲)۔

حقیقی اسلام اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے ــــ اور تمام مذاہبِ عالم میں صرف اسلام ہی کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کی ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے جو خدا کا پیغام ازلی لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا یہ بھی دعویٰ ہے ــــ اور کس قدر حقیقت پر مبنی دعویٰ ــــ کہ وہ سچّائیاں، وہ پیغامِ ازلی، وہ دینِ خداوندی، دنیا میں کسی قوم کے پاس باقی نہ رہا، یا تو وہ حوادثِ ارضی وسماوی کی نذر ہو گیا، یا انسانی ہاتھوں نے اس میں الحاق و تحریف کر دی، حق کو باطل کے ساتھ ملا دیا، دین کی صورت مسخ ہو گئی، اور اس ضرورت کی بنا پر کہ دنیا میں کہیں خدا کی سچائیاں باقی نہ رہی تھیں، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (خشکی اور تری میں فساد ہی فساد رونما ہو چکا تھا) خدا نے نبی اکرمؐ کی وساطت سے اپنا پیغامِ ازلی قرآنِ کریم کی شکل میں نازل فرمایا جو تمام سابقہ سچّائیوں کا مہیمن ہے، یعنی جتنی سچائیاں خدا کی طرف سے آتی رہی تھیں پر لوگوں نے انہیں محفوظ نہ رکھا تھا، وہ سب اس کے اندر ہیں، اور ان کے علاوہ وہ تمام اصولِ زندگی جن کی قیامت تک انسانوں کو ضرورت پڑے گی، وہ بھی اس کے اندر ہیں۔ گویا یہ پیغامِ خداوندی کامکمل اور آخری ضابطہ ہے۔ الدین اور الاسلام اس کے اندر آ کر مکمل بھی ہوا ہے (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ) اور محفوظ بھی (نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ)۔ اس کی حفاظت خود خدا کے ذمہ ہے۔

اس ضابطہ کے اجمال کی عملی تفصیل محمد الرسول اللہ کا اسوۂ حسنہ ہے اور یہ مہماتِ اصول اور ان کی عملی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفصیل مل کر خدا کا سچا مذہب الاسلام بنتے ہیں۔ لہذا آج خدا کے نزدیک جو دین حقیقی ہے، جو سچا مذہب ہی، جو سچی شریعت ہے، وہ صرف وہی ہے جو قرآنِ کریم کے اندر ہے، جو شریعت محمدیہ کہلاتی ہے (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ) اب سچائیاں اور کہیں نہیں۔ اگر سچائیاں کہیں اور بھی ہوتیں تو قرآنِ کریم نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ تو نازل ہی اس لئے ہوا تھا کہ سچائیوں کا وجود دنیا سے گم ہو چکا تھا۔ لہذا آج دنیا کا کوئی مذہب، نہ اصول میں، نہ شریعت میں، اس کے برابر ہو سکتا ہے نہ اس کا بدل (Substitute.)۔ اور آج الدین اور الاسلام کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن پر ایمان رکھا جائے اور شریعتِ محمدیہ کا اتباع کیا جائے۔ جو ایسا نہیں کرتا نجات وسعادت کا قطعاً مستحق نہیں ہے۔ یہ قرآنِ کریم کا دعویٰ ہے، اگر کسی کو اس میں ذرا بھی شک ہو تو وہ ہمیں اطلاع دے۔ ہم قرآنِ کریم کی نصوصِ صریحہ سے اسے واضح طور پر ثابت کر کے دکھا دیں گے۔

اس حقیقت کو سامنے رکھئے اور پھر مولانا آزاد کی تفسیر کے مندرجہ صدر ٹکڑوں پر نگاہ ڈالئے۔

(الف) وہ فرماتے ہیں کہ: "ہر مذہب میں سچائی ہے، تمام مذہب سچے ہیں"۔

قرآنِ کریم کا دعویٰ ہے کہ ہر مذہب میں سچائی تھی۔ تمام مذاہب سچے تھے۔ لیکن قرآن کریم کے نزول کے وقت وہ سچائیاں گم ہو چکی تھیں۔ لہذا آج۔ سچائیاں صرف قرآن کے اندر ہیں دنیا میں اور کہیں نہیں ہیں۔

(ب) مولانا فرماتے ہیں کہ "پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی گروہ بندیاں بنالی ہیں"۔

لیکن قرآن کریم مسلمانوں کو ایک الگ گروہ قرار دیتا ہے انہیں حزب اللہ (خدا کا گروہ) کہتا ہے[۱]۔ انہیں خیر امت اور امتِ وسطیٰ کے القاب سے یاد کرتا ہے (یعنی بہترین جماعت بہترین قوم)، لہذا مسلمانوں کا

[۱] خدائے تعالیٰ نے مومنین مخلصین کو حزب اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے" (مولانا آزاد، الہلال ۲۰ ۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الگ گروہ قائم رہنا اِن کی گمراہی نہیں۔ بلکہ ان کے خدا کا حکم ہے۔

(د) یہ درست ہے کہ دین ایک چیز ہے اور شرع و منہاج دوسری چیز لیکن یہ غلط ہے کہ دین (سب جگہ) ایک ہی ہے۔ اصل یہ ہے کہ دین ایک ہی طرح پر سب کو دیا گیا تھا۔ لیکن لوگوں نے اس کو بدل ڈالا۔ اور اب وہ صرف قرآن کریم کے اندر ہے۔ پھر یہ بھی درست نہیں کہ شرع و منہاج کا اختلاف یونہی معمولی سی بات ہے۔ شرع و منہاج وہ شے ہے جس کی خاطر رسولؐ پر ایمان لانا پڑتا ہے بحکم خداوندی اسس کا اتباع کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ شرع عملی تفصیل ہوتی ہے اصولِ دین کی، اس لئے جب اِس وقت دین وہی دین ہے جو رسول اللہ صلعم لائے تو شریعت بھی وہی شریعت ہے جو اُن کی وساطت سے ملی۔ نہ دین کہیں اور سے مل سکتا ہے، نہ شریعت ہی غیر اہم شے ہے۔

(ہ) جیسا کہ (ج) میں بتایا جا چکا ہے یہ قطعاً دھوکا ہے کہ مسلمانوں کی "گروہ بندی" اِن کی اپنی بنائی ہوئی ہے۔ یہ خدا ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ لہذا نجات و سعادت کے لئے متبعینِ محمدؐ رسول اللہ کی جماعت میں شامل ہونا ازبس ناگزیر ہے۔ پھر یہ بھی غلط ہے کہ "ظواہر و رسوم" کو نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں ظواہر و رسوم (مثلاً عبادت کے طریقے۔ حرام و حلال کا فرق) شریعت کہلاتے ہیں اور شریعت دین ہی کی تفسیر کا نام ہے۔ "خدا پرستی اور نیک عملی" کے الفاظ بالکل مہمل ہیں اگر ان کی تشریح قرآن کریم کی رو سے نہ کی جائے۔ قرآنِ کریم کی رو سے "خدا پرستی" وہی خدا پرستی ہو سکتی ہے جو قرآنِ کریم کے متعین کردہ ایمان کے مطابق ہو۔ اور اعمال وہی نیک قرار پا سکتے ہیں، جن کو اس نے نیک اعمال کہا ہو۔

(و) یہ قطعاً غلط ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ تمام پیروانِ مذاہب سچے ہیں۔ وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ اپنے اپنے وقت میں مذاہب سب سچے تھے، لہذا پیروانِ مذاہب اگر آج "فراموش کردہ سچائی" کو ازسرِ نو اختیار کرنا چاہیں تو سچائی چونکہ دنیا میں اور کہیں نہیں، اس لئے انہیں قرآن کریم پر ایمان لانا اور شریعتِ محمدیہ کا اتباع کرنا ہو گا، اور اس طرح مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہونا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑے گا۔ یہ ہے "آج الدین" اور "الاسلام" یہ ہم نہیں کہتے۔ خود مولانا آزاد بھی اپنے دورِ قومیت پرستی سے بیشتر یہی کہا کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش کرے گا تو وہ دین قبول نہ کیا جائے گا۔ اس آیت کا ترجمہ ۱۹۱۳ء میں یوں کیا جاتا تھا۔

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

"اب جو انسان احکامِ اسلامی کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا تو یقین کرو اس کی تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی اور اس کے تمام کاموں کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہوگا" (الہلال ۱۳ اپریل ۲۴)

لیکن اسی آیت کا ترجمہ دورِ قومیت پرستی کے بعد یوں کیا جاتا ہے:۔

"اور جو کوئی اسلام کے سوا (جو عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ ہے) کوئی دوسرا دین چاہے گا ....

(ترجمان القرآن جلد اول ص۱۵۸)

اور اس "عالمگیر سچائی" کی تشریح آپ اوپر پڑھ چکے ہیں ۱۹۱۳ء میں "الاسلام" نام تھا "احکامِ اسلامی" کا، اور ۱۹۳۱ء میں وہ نام ہو گیا اس "عالمگیر سچائی" کا جو ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ حالات کے بدلنے سے آیات کے ترجمے تک بدل گئے۔ (باقی)

تفسیر ابن کثیر

(عربی مصری)

اہل علم کو معلوم ہے کہ بسیط ارض پر اس پایہ کی کوئی تفسیر کسی زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی گویا جسکے پاس یہ کتاب ہو اسکے پاس فنِ تفسیر اور معارفِ قرآن کا معتمد ترین ذخیرہ موجود ہے۔ پہلی اسکی قیمت پچاس روپیہ تھی اب جدید طبع ہو کر آئی ہے اور قیمت میں حیرت انگیز کمی کر دی گئی ہے یعنی ہو وقت صرف ساڑھے بارہ روپیہ میں آپکو مل سکتی ہے۔

ہر قسم کی علمی و دینی کتابیں مناسب قیمتوں پر ملنے کا پتہ:۔ دفتر الفرقان بریلی (یوپی)

© rasailojaraid.com